حضرت صاحبزادہ مرزا رفیع احمد کا ۶ سال کی عمر میں اپنی والدہ محترمہ کی وفات پر غیر معمولی عمل اور چھوٹی بہن کو بھی صبر کی تلقین

(تحریر حضرت المصلح الموعود بحوالہ انوار العلوم جلد ۱۳ صفحہ ۷۹-۸۱)

چھ سالہ بچہ کا غیر معمولی عمل

لیکن رفیع احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کہ وہ بھی اپنے ننھیال گیا ہوا تھا اور والدہ کی وفات سے صرف تین دن پہلے واپس آیا۔ اس کی عمر چھ سال سے کچھ اوپر ہے۔ اِس کی نسبت راولپنڈی سے واپسی پر مجھے معلوم ہوا کہ جُوں ہی اِن کی والدہ فوت ہوئی، وہ اپنی بہن امۃ النصیر کو جو والدہ کے پاس رہنے کے سبب سے سب سے زیادہ والدہ سے مانوس تھی، ایک طرف لے گیا اور ایک دروازہ کے پیچھے کھڑے ہو کر دیر تک اسے کچھ سمجھاتا رہا۔ اس کے بعد جب مرحومہ کو غسل دے کر چارپائی پر لٹا دیا گیا تو ایک پھولوں کا ہار لے کر آیا اور پہلے والدہ کے ماتھے پر بوسہ دیا پھر ہار گلے میں ڈال کر اپنے آنسوؤں کو بزور روکتا ہوا اپنے منہ کو ایک طرف کر کے تا کہ اس کے جذبات کو کوئی دیکھ نہ لے، دوسرے کمرہ میں چلا گیا۔ اس بات کو دیکھتے ہوئے کہ وہ ایک چھ برس کا بچہ ہے، یہ عمل ایک غیر معمولی عمل ہے، ایک حیرت انگیز صبر کا مظاہرہ ہے۔ جب میں واپس آیا اور میں نے رفیع احمد کو بُلوایا تو میں نے دیکھا کہ وہ میری آنکھوں سے آنکھیں نہیں ملاتا تھا اور اپنے جذبات کو پورے طور پر دبانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ ڈرتا تھا کہ اگر میری آنکھوں سے اُس کی آنکھیں ملیں تو اپنے آنسو نہیں روک سکے گا شاید وہ کہیں چُھپ کر رویا ہو تو رویا ہو میں نے اُسے روتے ہوئے نہیں دیکھا۔

رفیع احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کیلئے دعا

رحیم و کریم بادشاہ! تُو نے اِس بچہ کے صبر کو دیکھا ہے اِس کے صبر کو دیکھ کر میرا نفس شرمندہ ہے، تُو اِسے سنگدلی سے محفوظ رکھ، تُو اِس کے اِن دبائے ہوئے جذبات کو مرنے سے محفوظ رکھ، اگر اِس جذبات کو دبانے کی کوشش میں اِس کے جذبات مر جائیں، اگر اِس کا دل پتھر کی طرح ٹھنڈا اور سخت ہو جائے تو اے میرے رب! یہ اِس کی اِس شاندار کوشش کا ایک بُرا بدلہ ہوگا۔ پس اے رحیم خدا! گو جذبات کی زندگی ایک موت ہے، ایک سوزش ہے جو ہر وقت انسان کو جلاتی رہتی ہے لیکن اے میرے رب! اِسی موت میں روح کی زندگی ہے اور جذبات کی موت گو بظاہر آرام اور سکون کا موجب ہے لیکن اِس آرام اور سکون میں روح کی موت ہے۔ پس اے میرے رب! میں تجھ سے عاجزانہ درخواست کرتا ہوں کہ اِس بچہ کے اِس نیک فعل کو قبول کر اور اِس کے جذبات کو مرنے نہ دے بلکہ ایک رحم کرنے والا دل اِسے دے، ایک محبت کرنے والا دل اِسے دے، ایک سوز سے پُر دل اِسے دے، ہاں بظاہر دوزخ نظر آنے والی یہ تینوں چیزیں اِسے دے تا کہ وہ تیری جنت کو حاصل کر سکے۔ آمین۔ یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ۔

تین سالہ بچی کا صبر و استقلال

یہ تو رفیع احمد کا حال تھا۔ امۃ النصیر جو تین ساڑھے تین سال کی عمر کی بچی ہے اور ہر وقت اپنی ماں کے پاس رہنے کے سبب سے بہت زیادہ ان سے مانوس تھی اپنے بھائی کے سمجھانے کے بعد وہ خاموش سی ہوگئی جیسے کوئی حیران ہوتا ہے۔ وہ موت سے ناواقف تھی وہ موت کو صرف دوسروں سے سن کر سمجھ سکتی تھی۔ نہ معلوم اس کے بھائی نے اسے کیا سمجھایا کہ وہ نہ روئی، نہ چیخی، نہ چلّائی وہ خاموش پھرتی رہی اور جب سارہ بیگم کی نعش کو چارپائی پر رکھا گیا اور جماعت کی مستورات جو جمع ہو گئی تھیں، رونے لگیں تو کہنے لگی میری امّی تو سو رہی ہیں، یہ کیوں روتی ہیں؟ میری امّی جب جاگیں گی تو میں ان سے کہوں گی کہ آپ سوئی تھیں اور عورتیں آپ کے سرہانے بیٹھ کر روتی تھیں۔

جب میں سفر سے واپس آیا اور امۃ النصیر کو پیار کیا تو اُس کی آنکھیں پُرنم تھیں لیکن وہ روئی نہیں۔ اُس دن تک میں نے کبھی اُسے گلے نہیں لگایا تھا اُس دن پہلی دفعہ میں نے اُسے گلے لگا کر پیار کیا مگر وہ پھر بھی نہیں روئی حتّٰی کہ مجھے یقین ہو گیا کہ اسے نہیں معلوم کہ موت کیا چیز ہے مگر نہیں یہ میری غلطی تھی یہ لڑکی مجھے ایک اور سبق دے رہی تھی۔ سارہ بیگم دارالانوار کے نئے مکان میں فوت ہوئیں جب ہم اپنے اصلی گھر دارالمسیح میں واپس آئے تو معلوم ہوا اس کے پاؤں میں بوٹ

نہیں۔ ایک شخص کو بوٹ لانے کیلئے کہا گیا وہ بوٹ لے کر دکھانے کیلئے لایا تو میں نے امۃ النصیر سے کہا تم پسند کرلو جو بوٹ تمہیں پسند ہو وہ لے لو۔ وہ دو قدم تو بے دھیان چلی گئی پھر یکدم رُکی اور ایک عجیب حیرت ناک چہرہ سے ایک دفعہ اس نے میری طرف دیکھا اور ایک دفعہ اپنی بڑی والدہ کی طرف جس کا یہ مفہوم تھا کہ تم تو کہتے ہو جو بوٹ پسند ہو لے لو مگر میری ماں تو فوت ہو چکی ہے، مجھے بوٹ لے کر کون دے گا۔ میں اس امر کے بیان کرنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتا کہ وفورِ جذبات سے اُس وقت مجھے یقین تھا کہ اگر میں نے بات کی یا وہاں ٹھہرا رہا تو آنسو میری آنکھوں سے ٹپک پڑیں گے اس لئے میں نے فوراً منہ پھیر لیا اور یہ کہتے ہوئے وہاں سے چل دیا کہ بوٹ اپنی امی جان کے پاس لے جاؤ۔

ہمارے گھر میں سب بچے اپنی ماؤں کو خالی امی اور میری بڑی بیوی کو امّی جان کہتے ہیں۔ میں نے جاتے ہوئے مُڑ کر دیکھا تو امۃ النصیر اپنے جذبات پر قابو پا چکی تھی وہ نہایت استقلال سے بوٹ اُٹھائے اپنی امّی جان کی طرف جا رہی تھی۔ بعد کے حالات نے اِس امر کی تصدیق کر دی کہ وہ اپنی والدہ کی وفات کے حادثہ کو باوجود چھوٹی عمر کے خوب سمجھتی ہے۔ چنانچہ اس کے ایک بھائی نے اُسے دِق کیا اور پھر اپنے ظلم کو اور زیادہ سنگین بنانے اور اُس کے دل کو دُکھانے کی نیت سے اُسے کہا کہ کیا تم میرے اِس چھیڑنے کی شکایت اپنی امّی سے کرو گی؟ اُس نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا کہ نہیں بھائی میں اپنی امّی سے شکایت نہیں کرسکتی۔ ''خدا کی کھم (خدا کی قسم) میری امّی تو اللہ میاں کے پاس چلی گئی ہیں وہ تو اب کبھی واپس نہیں آئیں گی''۔ یہ گفتگو مجھے گھر کے ایک اور بچے نے سنائی اور مجھے یقین ہو گیا کہ امۃ النصیر موت کی حقیقت کو جانتی ہے اُس کا فعل صابرانہ فعل ہے اور وہ اپنی ماں کی سچی یادگار ہے۔ وہ حقیقت کو جانتے ہوئے اپنے دل پر قابو پائے ہوئے ہے۔